

# تیری چاہ پیا پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

رُخ چوہدری

[www.paksociety.com](http://www.paksociety.com)



”کیا بات ہے خالہ جان! آپ کچھ متفکر سی دکھائی دے رہی ہیں؟ جنید سر میں تیل کی مالش کرتا ہوا لاؤنج میں آیا۔ جہاں نفیسہ بیگم تیار اور پریشان سی بیٹھی تھیں۔

”کیا بتاؤں بیٹا! اس حمید نے تو ناک میں دم کر دیا ہے۔ کہیں جانا ہو! یہ غائب ہو جاتا ہے اور عابد کو اتنی فرست نہیں کہ کہیں لے کر نکلے۔ اب ملنے جھلنے والوں کو میری مجبوریوں کی کیا خبر۔ مسز الیاس کے گھرانے کے سسر کے انتقال کا افسوس کرنے جانا ہے اور مسز فرحان کے بیٹے کے عقیقہ کی مبارک باد دینے جانا ہے۔ اتنے دنوں سے پروگرام بنا رہی تھی۔ حمید کو آنا چاہیے تھا مگر ابھی تک آیا نہیں۔ ایسا تو نہیں خدا خیر کرے۔“

حمید کی منگاریوں پر بھی شبہ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ نفیسہ بیگم کا کیونکہ وہ خاصا وقار دار قسم کا ڈرائیور تھا۔

”ارے خالہ جان! اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کے شہر کراچی کے راستے انجان بھی مگر آپ بتاتی جائیے گا۔ میں آپ کو منزل پر پہنچا دوں گا۔“

جنید دور دراز قبل لاہور سے کراچی آیا تھا۔ اب خود کو پیش کر رہا تھا ڈرائیور کے طور پر۔

”نہیں بشار بھتے دو۔ کہیں جھٹک گئے تو؟“ نفیسہ بیگم کچھ گھبرا سکی گئیں۔

”ارے نہیں خالہ جان! اب آپ کے شہر سے اس قدر بھی ناواقف نہیں۔ گھبرا نہیں اور جلیے جلدی کریں۔“ جنید نے نفیسہ بیگم کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھایا۔

”ارے جنید بھٹیا! اس میلے جلیے میں جانیں گے۔ قسم سے اتنے میلے لگ رہے ہیں ناں کہ نہ تیل میں

چپڑے ہاں۔ آف تو بہ! لگتا ہے پوری بوتل انڈر میل ہے آپ نے سر میں۔“

”بڑی بی! تم نے خود ہی تو کہا تھا۔ جنید بھٹیا تیل لگا یا کہیں ورنہ ہاں سفید ہو جائیں گے۔“

جنید نے مر کر شینا کو ٹھوڑا جس کے مشورے پر اس نے تیل لگا یا تھا۔

”ادھو، تو آپ کو ذرا ساتیل لگانے کو کہا تھا۔ تیل میں نہانے کو نہیں۔ دیکھیے تو کپٹیوں سے کس طرح بہہ کر کالوں میں گھس رہا ہے جس طرح برساتی نالوں میں سیلاب کا پانی بہہ رہا ہو۔ اور یہ۔۔۔ کپڑے آپ کو کہاں سے ملے۔ تو بہ ہے کس قدر میلے لگ رہے ہیں۔ بس کا جل لگانے کی دیر ہے۔ جنید بھٹیا پھر بالکل آپ حمید کے سوتیلے سائے لگیں گے۔“

شینا نے جنید کے جلیے پر اچھا خاصا تنقیدی کام تیار کر ڈالا۔

”میں تو خالہ جان کے ساتھ جا رہا ہوں ان کی دوستوں کے ہاں۔ تمہارے ساتھ نہیں جا رہا کہ سولہ سٹگھا کر کے جاؤں۔“ جنید نے شینا کو منہ چڑھایا۔

”جی میری دوستوں کے سامنے تو آپ سولہ تو کیا تیس سٹگھا کر کے آئیں گے۔“ شینا نے بھی فوراً ہی بدلہ لیا۔

”اچھا بھو بھی۔ فی الحال تمہاری دوستوں کے ہاں نہیں جا رہے۔ جیسا ہوں ٹھیک ہوں؟ جنید نے میز سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

”اچھا تو کاجل بھی لگا لیجیے۔ بس اسی کی کمی ہے۔“

”لاؤ بھئی تمہارے دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ اور پھر اسی خدا اور مکرار میں شینا اپنے کمرے سے

کاجل اٹھلائی اور جنید نے واقعی کاجل لگا بھی لیا۔

”قسم سے جنید بھٹیا! جو کر لگ رہے ہیں اسی جلیے میں جائیں گے امی کے ساتھ۔“

شینا نے جنید کے سامنے آئینہ کرتے ہوئے پوچھا

”ہاں جاؤں گا اور ضرور جاؤں گا وہاں میں۔ کوئی برکھوئے۔ کے لیے تو نہیں جا رہا کہ اس جلیے سے گھبراؤ جلیے خالہ جان!“

”لوٹ کے! یہ کیا جلیے بنالیا۔ کوئی کیا کہے گا۔ تم لوگ بس۔“

نفیسہ بیگم بھی جنید کو اس جلیے میں لے کر جانے کو تیار نہیں تھیں۔

”آپ فکر نہ کریں خالہ جان! میں اندر تھوڑی جاؤں گا۔ میں گاڑی میں بیٹھا رہوں گا۔ آپ اندر ہوا لیے گا۔“

”انتہائی مناسب کریں گے آپ اندر نہ جا کر۔ اتنی خوف ناک شکل دیکھ کر لوگ تو خوف سے جنیں مارنے لگیں گے۔“

”جی ایسا ضرور ہوتا۔ اگر آپ ساتھ ہوتیں۔ ہم تو اس جلیے میں بھی متاثرہ کر سکتے ہیں اللہ کی مہربانی سے۔“

ناولٹ

”اللہ سے خوش فہمیاں“

”چلو بیٹا جنید! پھر دیر ہو رہی ہے۔“ نفیسہ بیگم نے بھی جنید کے اس حلیے سے سمجھنا نہ لیا تھا۔  
”ہاں۔ یہ ہیں روک دو بیٹے! یہ مسز فرحان کا گھر ہے پہلے ان کو بیٹھے کے عقیقے کی مبارک باد دے دوں پھر مسز ایلیاس کے ہاں جاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے خالہ جان! میں گاڑی میں بیٹھتا ہوں۔ آپ ہو کر ذرا جلدی آجائیے۔ تیل سے بڑی کوفت ہو رہی ہے۔ نہاؤں گا جا کر۔“

”ہاں۔ ہاں بس میں ابھی آئی۔ تم چاہو تو گاڑی سے نکل کر باہر بیٹھ جاؤ۔ بڑی گرمی ہو رہی ہے۔ ارے سکیں کیا حال ہے تمہارا؟“

نفیسہ بیگم جو گاڑی سے اتر کر گیٹ سے اندر آ رہی تھیں۔ سامنے سے آتی ہوئی سکیں نے نظر پڑی۔  
”ٹھیک ہوں جی۔ یہ آپ نے حمید سے کی جگہ نیا ڈرائیور رکھ کر بڑا اچھا کیا ہے جی۔ بڑا افضول سا تھا حمید! تو۔“

”سکیں! یہ میرا ڈرائیور نہیں ہے بیٹا ہے میرا۔“ سکیں جو نان اسٹاپ بولنا شروع ہوئی تو نفیسہ بیگم کو روک لیا۔

”جینید کا خون کھول گیا۔“  
”ہائے۔ بیگم صاحب جی! جو بڑا دھوٹ، نہ ماری جی۔ آپ کے تو ایک ہی بیٹے ہیں جی! عابد جو بڑے اسمارٹ ہیں عابد علی کی طرح جی۔ یہ تو۔“

سکیں نے آغل کا کو نامہ میں دبا کر عابد کی تعریف کی تو جینید کا دل چاہا۔ اس کا سر توڑ دے۔  
”زیادہ باتیں نہ بنایا کرو سکیں! یہ میرا بھانجا ہے بہن کا بیٹا۔“

نفیسہ بیگم نے جینید کے قریب جا کر اسے ساتھ لگایا۔  
”مبادا اس کے دل میں کوئی خیال آئے۔“

”اچھا آپ صاحب لوگوں کے گھروں میں بھی ایسے نمونے ہوتے ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی۔ ہم غریبوں کے ہاں ہی ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔“

سکیں نے سر سے پر تک جینید کا کچھ ایسی نظروں سے جائزہ لیا کہ وہ راکھ ہو گیا۔ شینا درست کہہ رہی تھی مجھے اس حلیے میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ خیر اس کا کیا ہے۔ گھر والوں نے تو نہیں دیکھا ناں۔ وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا۔

”فرحان جینید اور ان کی بیوی تو لگتی ہوئی ہیں کہیں“ سکیں نے بتایا۔  
”سکیں! یہ فریاں بھی بھائی بھوج کے ساتھ لگتی ہے۔“

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اچانک نفیسہ بیگم کو فریاں کا خیال آ گیا۔  
”نہ جی نہ۔ وہ تو اپنے گھر میں اپنی بیوی۔“

ٹیلی فون کر رہی ہیں اور جب صفت بی بی کو فون کر رہی ہوتی ہیں تو گھر میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ بتا ہے جی وہ فون کرتے ہوئے چائے پی رہی تھیں۔ باتوں میں وہ اتنی گم ہو گئیں کہ میں ان کی چائے چیکے سے پی گئی اور وہاں پانی کا گلاس رکھ دیا اور وہ اسے ہی چائے سمجھ کر آہستہ آہستہ پینے لگیں۔ فون سے فارغ ہوئیں تو

تو مجھے پاس بلا یا۔ میں گئی۔ میں نے کہا جی۔ بی بی کہنے لگیں چائے آج تم نے بڑے مروسے کی بنائی۔ چٹاخ۔ تو یہ تو بڑا بھاری ہاتھ ہے فریاں بی بی سے کبھی ملاقات ہو تو منہ کو گھر دکھائیے گا۔“

سکیں نے براہ راست جینید کو مشورہ دیا تو جینید کا دل چاہا۔ ایک وہ بھی جڑوے۔ اس کے منہ پر کتنی بد زبان عورت ہے۔ مگر وہ منبٹ کر گیا۔

”اچھا بی بی کیا فریاں نے اسے مختصر مارا۔ یہ تو اس قلیل ہے کہ اس کا گلا دبا دیا جائے۔ ویسے فریاں بی بی اتنی بد مزاج ہی ہیں۔ خیر مجھے کیا۔“

ڈرائیورنگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے جینید نے کئی باتیں سوئی ڈالیں۔ پھر لا پرواہی سے گاڑی اشارت کرنے لگا۔  
”بیگم صاحبہ! اگر بڑا نہ سمجھیں تو مجھے مین روڈ تک چھوڑ دیں جی۔ میں تو ان لوگوں سے۔ یہاں تو جی کوئی مذاق ہی نہیں سچا تھا بس ذرا مذاق کرتی تھی۔ تو یہ ہے میرا تو منہ چکا دیا تھا چھوڑیں مارا کہ اسی وجہ سے اور پھر۔“

”اچھا۔ اچھا آؤ بیٹو! نفیسہ بیگم کو جب زرا سے ہنسا پڑا۔ سالار اسٹو وہ بولتی رہی۔ جینید کو بہت غصہ آ رہا تھا اس عورت پر۔ نفیسہ بیگم بھی جڑوے ہو رہی تھیں۔  
”لو سہی! سکیں آ گیا ہے مین روڈ۔ اتر جاؤ ہیں بی بی ویر ہو رہی ہے۔“

”اچھا جی بڑا بڑا شکر یہ۔ ویسے صاحب جی کبھی

نہا لیا کہیں اور یہ تیل آئندہ نہ لگائیے گا۔ قسم سے بڑے ڈرائیور نے لگ رہے ہیں۔“

سکیں نے اتر کر ایک بار پھر جینید کو سر سے پرکھ دیکھتے ہوئے کہا تو جینید کا دل چاہا تو اپنا سر پوڑ ڈالے یا اس بد تمیز منہ پھٹ کا۔  
”ایڈیٹ! وہ زیر لب بڑ بڑایا۔  
”دفع کرو بیٹے! ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگا کرتے۔ ویسے اب تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس حلیے میں آنا کتنا نقصان دہ ثابت ہوا۔“

نفیسہ بیگم اسے غصے میں دیکھ کر مسکرائیں۔  
”رہ نہیں خالہ جان! نقصان وہ میرے لیے آپ کا تعارف ہے جو آپ نے کرایا۔ اگر کہہ دیتیں کہ ہاں نیا ڈرائیور ہے تو میری کون سی شان گھٹ جاتی۔ بس اب جہاں جا رہی گی۔ مجھے اپنا ڈرائیور کہیں گی نیا ڈرائیور۔“

جینید نے گاڑی میں رکھا حمید کا سیاہ چمڑا ٹکھوں پر لگاتے ہوئے کہا۔  
”اچھا۔ فی الحال تو تم مجھے یہاں اتار دو۔ مسز ایلیاس سے افسوس کرنے جا رہی ہوں۔ تم گاڑی لے کر مسز فرحان کے ہاں چلے جاؤ۔ اور گھنٹے ڈیرہ گھنٹے کے بعد آ جانا۔ مجھے لینے کے لیے۔“

”بہت بہتر! بیگم صاحبہ اور کوئی حکم۔“ جینید نے ڈرائیورین کر سکر جھکا کر کہا تو وہ سکڑ پڑیں۔

جینید نفیسہ بیگم کو چھوڑ کر دوبارہ فرحان احمد کے گھر آ گیا اور وہ شاید یہ بھی قبول کیا تھا کہ اس کا حلیہ کیا ہے۔ بیل بجائی۔  
”کیا ہے میاں! کون ہو تم؟“ مالی ہاتھ میں پائپ لیے اس کی شناخت چاہ رہا تھا۔  
”فرحان صاحب آگئے ہیں کہ نہیں۔“

جینید کو مالی کا اندازہ تھا طبع بڑا تو بہت لگا مگر پھر اپنی طرف ایک نظر ڈال کر وہ خاموش ہو گیا۔  
”نہیں۔ ابھی نہیں آئے۔ کوئی کام ہے؟“ مالی نے پودوں پر چھڑکاؤ کرتے ہوئے پوچھا۔  
”اور فریاں! جینید نے پوچھا، لڑکی باہر آئے گی تو باتیں ہی کر لوں گا۔“

”فر۔ یاں یہ تم نے کس انداز میں بی بی کا نام لیا

ہے۔ اپنی شکل اپنا حلیہ دیکھا ہے لگتا ہے ابھی کٹر میں گر کر آئے ہو۔“

مالی نے تو حد ہی کر دی اسے سر سے پر تک جینید کو ایک دم خیال آ گیا کہ وہ جس حلیے میں ہے اس میں اسے حق نہیں کہ وہ کسی بڑے گھر کی لڑکی کا نام اتنے بے تکلف انداز میں لے سکے۔  
”اوہ ہاں فریاں بی بی تو ہیں ناں گھر پر۔“

اب اس نے اپنے حلیے کے مطابق۔ انداز خطاب اختیار کیا۔  
”ہاں۔ وہ ہیں بھی اور نہیں بھی۔ اب مالی گویا مطمئن ہو گیا۔  
”ہائیں! یہ کیا بات ہوئی؟“

”میاں جب وہ ٹیلی فون پر بات کر رہی ہوتی ہیں تو گھر میں ہوتے ہوئے بھی نہیں ہوتیں۔“  
”اقت میرے خدا! ابھی تک فون پر بات ہو رہی ہے۔ فون کا اتنا ناجائز استعمال۔“  
”یہ کیا تم منہ میں بڑ بڑا رہے ہو؟ مالی نے اسے گھورا۔  
”ہوں۔ ہاں کچھ نہیں۔ مجھے صاحب سے کام ہے۔ میری خالہ نے کہا ہے کہ یہاں بیٹھ کر ان کا انتظار کروں۔“

”اچھا! تم وہاں بیٹھ کر انتظار کرو۔ شاید آنے ہی والے ہیں۔“

مالی نے کوریڈور میں کین کی کرسی گھسیٹ کر جینید کو اس پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ وہ جائزہ لیتی نظروں سے گھر کو دیکھتا ہوا بیٹھ کر سوچنے لگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک جیسا پیدا کیا مگر انسان حیثیت و مرتبہ میں کھو گیا اس وقت میرا حلیہ ڈرائیور والا ہے اور میرا تعارف کسی بڑی شخصیت نے اپنے رشتے دار کی حیثیت سے نہیں کر دیا تو مجھے یوں یہاں ڈال دیا گیا ہے۔ اگر اصل حلیے میں آؤں تو یہ ہی ملازم صاحب جی۔ صاحب جی کہہ کے آگے بچھے پھریں۔ وہ ان ہی خیالوں میں گم تھا کہ اندر کہیں نسوآنی آواز کے جلتے لگے۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔  
”مالی چاہا! یہ کوریڈور میں کون ہے؟ فریاں اس کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔“

”چنانچہ جی کہتا ہے صاحب سے کام ہے۔“

”او ہو تو اسے ڈراؤنگ رو میں بٹھاؤ۔ فریال نے حکم صادر فرمایا۔

گڈ گرل! اس کا مطلب ہے۔ تم اچھی لڑکی ہو۔ جنید نے اس کے بارے میں اچھی رائے قائم کر لی۔

اور پھر جنید کو ڈراؤنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ ”مالی چاہا! یہ کون ہے۔ بالکل اجنبی بندہ ہے۔

اسے بھتیسا سے کیا کام ہو سکتا ہے۔“ فریال نے کھڑکی سے اندر جھانک کر جنید کو دیکھتے ہوئے قدرے آہستگی سے کہا مگر اس نے صاف سن لیا۔

”پتا نہیں۔ بی بی کہہ رہا ہے کہ میری خالہ یہاں چھوڑ گئی ہے اور فرحان صاحب سے ضروری کام ہے۔ بس

یہ ہی کہا ہے۔“ ”کیا خالہ چھوڑ کر گئی ہے۔“

فریال کی آواز نہ چونک کر بلند ہو گئی تو جنید کے کان کھڑے ہو گئے۔

”یہ۔ یہ یقیناً ماسی صغراں کا بھیجا ہوا ہوگا۔ ایک تو بھابھی کو خط ہے میری شادی کا۔ کہ کسی طرح یہ بوجھ

اُتر جائے اور۔ ماسی صغراں اٹھا لاتی ہے اُٹھے سیدھے جو کرے۔ یہ یقیناً ماسی صغراں کا اپنا بھانجا ہوگا۔ میں نے

خود سنا تھا کبھی بھی سے کہہ رہی تھی کہ میرا بھانجا جتنی دنیا میں جماعتیں ہیں، سب پاس کر کے امریکہ گیا ہوا

تھا۔ آج کل آیا ہوا ہے۔ میں وہ دکھا دیتی ہوں۔ یہ جاہل اُجڑا سستہ بھنگا ہوا یہ کچھ لگ رہا ہے۔ پڑھا لکھا

یا امریکہ پلٹ۔ اُف میرے خدا سب کے والدین سر پر سلامت رکھنا ورنہ مجھ جیسی لڑکیاں ایسے ہی اپنے

بھائیوں اور بھائیوں پر بوجھ بن جاتی ہیں۔“ اب کے آواز میں درد و کرب اُتر آیا۔ جنید مستقبل

دھماکوں کی زد میں تھا اور کان لگا کر سن رہا تھا۔ ”لیکن میں بھی کچھ لوں گی۔ میرا اپنا ایک آئیڈیل ہے

انتہائی اسمارٹ اور ہینڈ سم، پڑھا لکھا اور مجھے۔ اللہ تعالیٰ سے امتیاز ہے، وہ مجھے میرا آئیڈیل ضرور دے

سکا۔ خواہ بھائی کچھ بھی کر لیں اور یہ جو شتر مرغ اندر بیٹھا ہے اس کی تو نہیں ایسی خبروں کی کہ کیا یاد کرے

سکا یہ۔“ جنید میاں! یہاں تو معاملہ ہی چوپٹ ہے، اتنے القابات

تو آج تک بہت سی لڑکیوں نے نہیں دیے، جتنے اس ایکلی نے دے دیے ہیں۔ لگتا ہے، کسی رشتے کرانے والی کے ہاتھوں

تنگ ہے۔ کیا خیال ہے جنید میاں! ہو جائے تفریح۔ بن جاؤ ماسی صغراں کے بھانجے، ذرا ہم بھی دیکھیں، ایسا

آئیڈیل رکھنے والی خود کیسی ہے۔“ جنید گویا خود سے کہتا ہوا آہستہ آہستہ۔ ایک کہانی ترتیب سے بیٹھا تھا۔ اُس نے۔ دونوں ہاتھوں

سے تیل میں چھڑے بالوں کو بے ترتیب کر دیا۔ سیاہ چشمہ حمید کا جو اتفاق سے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ وہ لگا لیا اور جوتوں سمیت صوفے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اب وہ انتہائی اُجڑا، جاہل اور بدتمیز لگ رہا تھا۔ گھٹنوں پر

عموڑی رکھے وہ اپنے خلیے سے ایک دلچسپ ڈراما کھیلنے کے لیے بالکل تیار بیٹھا تھا، کہ وہ اکھڑ حسینہ کب

زردہ سیمیں پر جلوہ افروز ہو کر اُسے کانوں سے پکڑ کر باہر نکلے۔ دروازے کے باہر پچھل ہوئی، وہ الٹ ہو گیا۔

”اوہ مائی گاڈ! یہ کیا بدتمیزی ہے۔“ اُسے صوفے پر جوتوں سمیت بیٹھا دیکھ کر فریال کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”اوہ تو یہ بدتمیزی ہے، میں سمجھا صوفہ ہے۔“ جنید نے انتہائی احمقانہ سالب و لہجہ اختیار کر کے کہا تو فریال نے سر تھام لیا۔

”اوہ خدایا! انتہائی اُجڑا ہے، احمق آدمی یہ صوفہ ہے اور یہ مٹی سے بھرے جوتے۔ ایڈیٹ۔! اُڑو نیچے۔“

فریال چیخی تو جنید چھلانگ مار کر قالین پر دوڑا نو بیٹھ گیا۔

”اوہو۔! ساری۔! ساری۔! جی ساری!“ جنید انتہائی جامانہ انداز میں سواری کرتے ہوئے اپنی شرٹ کے دامن سے صوفے پر لگی مٹی جھاڑنے لگا۔

”اوہ نو۔“ چھوڑو اسے، ہٹو یہاں سے، یربتاؤ کون ہو تم؟“

فریال اپنے شک کو یقین میں بدلنے کی خاطر بولی۔ جنید کو یہ پیاری سی، گول سی لڑکی نہ صرف پسند آئی تھی، بلکہ اس کا یوں چڑنک اسے مزے رہا تھا۔

”آپ کو پتا تو ہے جی کہ میں کون ہوں؟“  
”ابہام نہیں ہوتا مجھے، بسدھی طرح بتاؤ، کون ہو تم؟“  
فریال نے سخت سے اسے گھوڑا۔

”وہ — وہ جی ماسی ہے ناں صغراں، اس کا پانچا ہوں جی۔“

جنید نے تیل میں چھڑے بالوں کی ایک لٹکو عین ماتحت پر جاتے ہوئے کہا۔

”ہوں تو میرا اندازہ درست تھا، خیر کچھ لوں گی۔“  
فریال نے تیزی نگاہ اس پر ڈالی اور لٹ جو بھی سنواری گئی تھی اس پر بھی۔

”میں ڈورا رہ رہا ہو گیا ہوں جی، کہ آپ کو منہ میں من من کرنے کی عادت ہے۔“

وہ منہ میں بڑبڑائی، تو جنید نے شوخی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”بکومت، کیا نام ہے تمہارا؟“ فریال کاٹ کھانے والے لہجے میں بولی۔

”ہائے صدقے جاؤں، نام تو پوچھا۔“  
وہ جان بوجھ کر ایسی آواز میں بولا جسے اس سے چھپا بھی چاہ رہا ہو، مگر مقصد اسے سننا ہی تھا۔

”کیا بڑبڑا کر رہے ہو؟“  
”کچھ نہیں جی، میرا نام تو بخود منظور ہے۔ پر جی سارے پیار سے جو ناموں کہتے ہیں۔“ جنید نے ایک ادا سے نام بتایا۔

”اور یہ منہ کس خوشی میں کہتے ہیں؟“ فریال نے اسے سر سے پیر تک دیکھا اور دل میں کہا، ٹیکہ ہی کہتے ہیں۔

”خوشی میں نہیں جی آپ بھی کتنی بھولی باتیں کرتی ہیں۔“  
بھلا کوئی کسی کو منہ خوشی میں تھوڑی کہتے ہیں۔ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

”اچھا تو کس غم میں آپ کو یہ لقب ملا؟“  
”آپ بھی بڑی پونی رہی ہیں جی، غم میں بھی نہیں ملا۔“ یہ نام تو مجھے حسد میں ملا ہے، جب میں پیدا ہوا تھا ناں تو ہمارے ملے (محلے) کی ساری مجلسیں (مجلسیں) مگر تھیں۔

”غم میں؟“ فریال نے درمیان میں ٹوکا۔  
”نہیں جی۔ اسی حسد میں جب وہ مریگیں تو مالے والوں

نے مجھے جو ناموں کہنا شروع کر دیا، پس اس روز سے میرا ناں جو ناموں ہے۔“

جنید انتہائی گنوار لہجے میں بات کرتے ہوئے سوچ رہا تھا، کہ کیا خوب ایکنگ کر رہا ہوں میں۔

”ہوں تم جیسی چیزوں سے بھینسیں ہی حسد کر سکتی ہیں۔“

فریال اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔  
”آپ نے مجھے کچھ کہا جی؟“ وہ فریال کے قریب آگیا۔

”ہاں، وہ مافن چکا تھا جو اس نے کہا۔“  
”نہیں، میرا لومار خراب نہیں، جو تم سے کچھ کہوں گی اور یہ تم سے میں سن گلاس چڑھا کر کیوں بیٹھے ہو؟“

فریال کو اس کی آنکھوں پر لگتا سیاحہ چشمہ انتہائی زہر لگ رہا تھا۔

”گلاس — کیسا گلاس جی، میرے پاس تو کوئی گلاس نہیں جی۔ یوں جو ٹھلا جھوٹا، الزام نہ لگائیں۔“ میرے اوپر جی۔ میں نے تو گلاس کی شکل تک نہیں دیکھی، اور آپ کہہ رہی ہیں، چڑھا کر بیٹھا ہوں۔“ تو بہ اللہ!

میری تو بہ! میرے مولا میں نے تو آج تک اس کی شکل تک نہیں دیکھی اور یہ کہہ رہی ہیں، کہ میں چڑھا کر بیٹھا ہوں اللہ! آپ کو پوچھے گا جی، مجھ جیسے مشوم (مسموم) پر وہ چیز — ناں — ناں، اللہ میری تو بہ! میں اس کا نام نہیں لوں گا، زبان پلست (پلید) ہو جائے گی۔

اس نے تھوڑا سا کان بچھ کر تو بہ کی، پھر قالین پر آٹا لپیٹ کر ناک سے لکیریں نکال کر تو بہ کرنے لگا۔

فریال کا پارہ ہاتی ہونے لگا۔  
جابل آدمی کیا سمجھ بیٹھا ہے۔ میں نے اس ملک کی بات کی ہے۔ یہ دھوپ کی عینک ہے کمرے میں کیوں لگا رکھی ہے؟“ فریال کا پس نہیں چل رہا تھا،

کہ وہ اس جابل آدمی کو اٹھا کر باہر پھینک دے، لیکن وہ نہیں جانتی تھی وہ اس غصے میں یوں جھنجھلائی ہوئی جنید کو کتنی اچھی لگ رہی ہے اور وہ کتنا انجوائے کر رہا ہے۔

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

”اوہ! اچھا تو آپ شہری لوگ اسے دھوپ کی عینک کہتے ہیں، ہم لوگ اسے شیشے کی عینک کہتے ہیں۔“

دیکھیں تو کتنے سیاہ شیشے ہیں اس کے۔“  
پھر جنید نے باقاعدہ چشمہ اتار کر فریال کو دکھانا چاہا۔

”اوہ مائی گاڈ! لگتا ہے کامل کی کان تمہاری ذاتی ہے۔“

فریال نے اس کے پچھلے ہوئے کاجل کو دیکھ کر کہا تو جنید کو بھی یاد آ گیا کہ اس نے شیشے کے چڑانے پر کاجل بھی لگا لیا تھا۔ وہ اب یقیناً پھیل کر بہت بڑا لنگ رہا تھا۔

”آپ بھی بڑی بھولی ہیں جی! بھلا کبھی کجل کے بھی کان ہوئے ہیں، یہ تو ڈورا ہوتا ہے۔“ وہ پوری آنکھیں پھیل کر اسے دیکھنے لگا۔

”اچھا، رہا جی کر کے اسے اپنی آنکھوں پر لگا لو۔“  
وہ بیزاری سے بولی۔

”آٹا! ٹڈ گئیں ناں، میری بے بے رماں! بھی ڈر جایا کرتی تھیں اور میں تو بچپن ہی سے ڈرا شرا کرتی ہوں۔“

بے بے جب میری بات نہیں مانتی تھیں، میں انہیں کجل لگا کر ڈرایا کرتا تھا۔ بے بے کتنی یقین، پھر کجل لگا کر باہر نہ نکلا کر، لوگ گھروں میں بند ہو جاتے ہیں اور۔“

”فصلوں باتیں بند کرو، یہ بتاؤ یہاں کیسے آئے؟“  
”آدھا نہیں لیا کسی سے اپنی ذاتی ٹانگوں پر آیا ہوں، جو اللہ پاک نے دی ہیں۔“

فریال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح دھکے دے کر نکالے۔

”کس مقصد کے تحت آئے ہو؟“ وہ چیخ پڑی۔  
”ہاں اب آئیں ناں اصل بات پر۔“

وہ شوخ ادھر گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔  
خوبصورت تو وہ تھی ہی، مگر جنید کو اس کی دراز چوٹی جو کہ اس زمانے میں ناپید ہو گئی تھی۔ بڑی پسند آئی، ورنہ خود اس کی بہنیں اور خاندان کی ساری لڑکیاں باب

ہیرا ستال میں تھیں، اس قسم کی ریشمی چوٹیاں تو خواب بن کر رہ گئی تھیں۔

”وہ جی یہ — گت (چٹیا) آپ کی ذاتی ہے“  
میری ٹانگوں کی طرح کہ۔“

جنید نے اس کی چٹیا کی طرف اشارہ کیا، جس کے کئی

بل کھل چکے تھے۔  
”اپنے کام سے کام رکھو اور آنے کا مقصد بیان کرو۔“

فریال نے چٹیا کو جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لپیٹ لیا، گویا وہ چرانے لگا ہو۔

”وہ جی اب میں کیا بتاؤں جی، ماسی صغراں خود ساتھ آتی، تو آپ کو بتاتی بھی، اب میں اپنے منہ سے کیسے بتاؤں، شرم آتی ہے۔“

پھر جنید شرٹ کے دامن کا کونا اٹھا کر دانتوں میں دبا کر شرمانے لگا تو فریال نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

”آف میس خدا! احسن آدمی! چھوڑو شرٹ کو دامن۔“

”اوہ اچھا — اچھا یہ لیں۔“  
”جنید جلدی سے شرٹ چھوڑ کر میدھا کھڑا ہو گیا۔“

فریال سر ہاتھوں میں تھامے خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔  
”آس کی چوٹی ڈھلک کر ماسی آگئی تھی۔ اس وقت کچھ پریشان سی اچھی ہوئی یہ لڑکی جنید کو بے حد اچھی لگی۔“

وہ کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔  
”ہاں تو — آپ وہ — وہ پوچھ رہی تھیں ناں میں یہاں کیوں آیا تو۔“ تو اس وقت تو شرم آگئی تھی، لیکن اب میں نے شرم پر قابو پا لیا ہے۔ اب بتانا ہوں۔“

وہ گلا صاف کر کے دوبارہ بولنے لگا، تو فریال نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”ایسے مت دیکھیں جی، میری بے بے کہتی ہیں کہ میرا خون بہت ہولا (ہلکا) ہے فوراً نظر لگ جاتی ہے اور لڑکیوں کی تو کچھ زیادہ ہی لگتی ہے۔“

”بکومت، تم ہی تو رہ گئے ہو نظر لگنے کے لیے چاند کا ٹکڑا۔“

”آپ نہ مانیں جی، میری بے بے تو مجھے جن کا ٹوٹا، (چاند کا ٹکڑا) ہی کہتی ہیں اور میں یعنی بے بے کا چن کا ٹوٹا جوان ہو گیا، تو میری بے بے اور ابے (ابا) کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

”آپ نے بیٹھے وہ لوگ چاندنی جیسی بہو کا خواب دیکھنے گئے۔ بے بے کا خیال تھا کہ میرا جن پہلے ہی اللہ کی طرف سے ننھا ہوا ہے بالوں میں چاندنی مسکرانے لگی تو —“

رسوخ پہلوانی والا آزمایا، مگر جو اللہ کو منظور ہو تو وہی ہوتا ہے ناں۔ ہوتے ہوتے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ماسی صغراں شہر میں فساد پھیلانے کے بعد گاؤں گئی تو بے بے نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تو زمانے بھر کے لئے سید سے کھوئے لڑکوں کے رشتے کراتی پھرتی ہے پر اپنے بھانجے کی تجھے کوئی فکر نہیں۔ تو ماسی نے میرا یہ کٹڈل ہٹا کر میرا متھا (ماتھا) چوما۔ جنید نے اپنی پیشانی پر سے گنگھر لٹا کر ہٹا کر بتایا اور بیان جاری رکھا۔

”ماسی نے کہا کہ ماں صدقے اس کھوئے۔ میرا مطلب ہے اس پن کے لیے لڑکیوں کی کیا کمی ہے شہر میں۔ ایک فرحان میاں ہیں، ان کی ایک بہن ہے بڑی خوبصورت، یہ لمبی سی ناگن جیسی چٹیا، مگر بے ذرا بد اخلاق اور بڑبڑی سی، اسی وجہ سے اس کا رشتہ کہیں ہوتا نہیں۔ چنانچہ میری بے نے کہا تو ماسی کے ساتھ چلا جا اور کڑی لڑکی کو دیکھ لے۔ اسے کوئی لیتا نہیں اور تمہیں کوئی دیتا نہیں، جا قسمت آزمائے ہو سکتا ہے، رب سوچنے نے تم دونوں کا جوڑ جوڑا ہو تو میں ماسی صغراں کے ساتھ یہاں آ گیا ہوں۔ ماسی ذرا کسی اور کے گھر میں فور پھیلائے گئی ہیں، اور مجھے یہاں بھیج دیا ہے۔ آپ ذرا جلدی سے مجھے وہ لڑکی دکھا دیں، میں بھی تو دیکھ لوں۔“

ماسی صغراں کی تو ویسے بھی نظر کمزور ہے۔ وہ تو عام سی شکل کو بھی چاند کا ٹکڑا بنا کر پیش کرتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں دھوکا کھا جاؤں ماسی کی باتوں میں اگر کسی ایسی ویسی لڑکی سے شادی کر بیٹھوں۔ آپ بھی تو ہمیں رتی ہیں۔ آپ نے تو دیکھا ہو گا۔ وہ چڑیل ہے کیسی۔“

جنید اس کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو وہ بھٹ پڑی۔

”اوہ یوٹ اپ۔“

”اوہ تو اس کا مطلب ہے وہ بڑی خوفناک ہے کاشی بھی ہوگی۔“

”دفع ہو جاؤ یہاں سے میں تمہیں اور ماسی صغراں دونوں کو قتل کر دوں گی۔“

اس وقت جتنا اسے غصہ تھا واقعی اگر ماسی صغراں

سلمنے ہوتی تو فریال اسے قتل کر دیتی۔

”ناں۔ نائنم جیسوں کے تو آپ کو سنا ہے۔“

”معاذ ہیں۔ البتہ ماسی کو قتل کر کے آپ تاحیہ جانیں گی اور۔ میں خونی قاتل حینہ سے کس شادی کر سکتا ہوں۔ جی۔“

جنید اسے چڑانے والے انداز میں منہ مارتا تھا۔

”میں کہتی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت نکل جائیگی۔“

میرے گھر سے۔ مالی چاچا۔ مالی چاچا۔

”عزت پیاری ہے تو نکل چلو جنید میاں۔“

خالہ جان کو بھی نیکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فریال چلا کر مالی چاچا کو بلانے لگی تو جنید جیسے کی تدبیر کرنے لگا۔ وہ جانے کے لیے پلٹا مگر

کے قریب جا کر پھر مڑا۔

”جتنا جی چاہے چلا چلاؤ۔ لڑکی اب مجھے نہیں فرماں کی بہن سے شادی۔ مجھے تم پسند آگئی۔“

میرے اللہ نے چاہا تو تمہارے لیے بارات لے کر آؤں گا انشاء اللہ۔“

اور پھر اس سے قبل کہ گھر کے ملازم آتے۔ اپنے خونخوار ناخنوں سے اس کا تیا پانچا کرتی آیا۔ گاڑی تو پہلے ہی گھر سے کافی دور تھی۔ وہ

اُرتا ہوا مسز ایلاس کے گھر پہنچ گیا جہاں نیرس۔ مسز ایلاس کے ساتھ پریشانی میں اُٹھ رہی تھیں۔ مقررہ وقت سے بہت لیٹ ہو گیا تھا۔

”ارے کہاں رہ گئے تھے بیٹا؟ میرا دل تو بڑی ہول رہا تھا کہ خدا نخواستہ راستہ نہ بٹک گئے۔“

اسے دیکھ کر نیرس بیگم نے شکریہ ادا کیا۔

”ارے نہیں خالہ جان! بس باتوں میں پتا ہی نہ چلا۔“

”تو فرحان میاں آگئے۔ اچھا مسز ایلاس! آپ کو صبر دے۔ اس کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔“

جلوس بیٹے ذرا مسز فرحان کے گھر ہو آئیں۔“

مسز ایلاس سے رخصت لے کر نیرس بیگم آئیں۔ خالہ جان! میرا خیال ہے کافی دیر ہو گئی ہے۔ کل یا پھر کسی وقت آجائے گا۔ ویسے بھی فرحان منہ نہیں کٹے تھے ابھی تک۔“

وہ نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ خالہ جان کے ساتھ

جا کر ڈرامے کے اثر کو زائل کرے۔  
 "مگر تم کس سے گپ بازی کرتے رہے؟"  
 نفیسہ بیگم نے مڑ کر اسے دیکھا تو وہ کچھ گھبرا سا گیا۔  
 "بائیں کس سے کرنی تھیں۔ مانی سے پودوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ میں آپ کا ڈرامہ غور ہوں۔"  
 اس نے بات گول کر کے ختم کر دی۔ کئی روز ہو گئے تھے اسے فریال سے مل کر آنے جو ڈراما کیا تھا۔ وہ اپنے دوست شاہد کو بتانا چاہتا تھا۔ جو اپنی فرم کے کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ دو روز بعد وہ آیا تو جنید اس کے ہاں پہنچ گیا۔  
 "اچھا تو کراچی آتے ہی تم نے چھکا مارا ہے؟"  
 شاہد نے اس کی ساری واردات سننے کے بعد ریمارک دیا۔  
 "نہیں چھکا نہیں مارا لیکن بولڈ ہوا ہوں۔ پہلی نظر کی محبت کا میں قائل نہیں تھا مگر اب ہو گیا ہوں۔" جنید نے حقوں کا ٹیکہ بنا کر قائلین پر لیٹ گیا تو جنید نے ہونی سننے میں سرخ پیاری سی فریال کا دلکش ہرپا اس کی نظروں میں گھوم گیا۔  
 "خالص فلمی افسانوی ڈائلاگ ہے؟" شاہد نے اس کی طرف بسکٹ کی پلیٹ بڑھائی۔  
 "نہیں شاہد میں سنجیدہ ہوں۔ اچھی لگی ہے وہ مجھے۔" دیکھی سی پیاری سی فریال۔  
 جنید کو واقعی وہ بن ماں باپ کی بھائی بھائی پر بوجھ مظلوم سی لڑکی لگی۔ اور ویسے بھی وہ اسے پسند آگئی تھی۔  
 "ہوں تو گویا تم کراچی آتے ہی لٹ گئے۔" جنید نے بھی دکھا دو ہماری ہونے والی بھائی "شاہد کش لے کر جنید کے قریب لیٹتے ہوئے بولا۔  
 "اسی لیے تو تمہارے پاس آیا ہوں کہ بات تو میں بگاڑ چکا ہوں اب کیسے جوڑے سے جنید بن کر وہاں جایا جائے؟"  
 جنید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ واقعی اس سے اب اصل طریقے میں ملنا چاہتا تھا۔  
 "ہاں سوچتے ہیں لیکن دو روز بعد کیونکہ پیلے

فرم میں کچھ اسامیاں نکالی ہیں۔ میں انٹر ویو کر لوں پھر باقاعدہ ملاقات کا پروگرام بنائیں گے۔"  
 شاہد انٹر ویووز میں مصروف تھا۔ جنید کو پوریت ہو رہی تھی۔ اس روز وہ تیار ہو کر اس کے آفس میں چلا آیا۔  
 "صاحب انٹر ویو لے رہے ہیں۔ ملازم نے اسے روکا۔  
 "میں صاحب کو انٹر ویو دینے نہیں لینے آیا ہوں۔ اور پھر ملازم روکتا ہی رہ گیا۔ جنید شاہد کے کمرے کی طرف بڑھا مگر باہر لڑک گیا۔ حقوڑا سا دروازہ کھول کر جھانکا۔ وہ کسی لڑکی کا انٹر ویو کر رہا تھا۔ غالباً یہ آخری سوال تھا۔ انٹر ویو کے بعد لڑکی نے قائل اٹھائی اور دروازے کی جانب بڑھی۔  
 "فریال؟" جنید لڑکی کو دیکھ کر چونکا۔ سفید شلوار برہنگے سے رنگ کی شرٹ میں سادہ سی فریال وقار سے چلتی دروازے کے قریب آگئی تو جنید ایک دم رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ مبادا وہ پہچان نہ لے۔ ویسے بھی۔ اس روز اور آج کے طبقے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ پہچان لینا آسان نہ ہوتا فریال کے لیے۔  
 "ارے تم کب آئے؟" فریال کے آفس سے نکل جانے کے بعد جنید جلدی سے اندر چلا گیا تو شاہد حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔  
 "یہ۔ یہ لڑکی؟" جنید اسے نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔  
 "ہاں بھی لڑکی تھی۔ امیدوار تھی۔ انٹر ویو دینے آئی تھی۔"  
 "تہیں معلوم ہے وہ کون تھی؟"  
 "نہیں بھی! میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ہر لڑکی کا شجر و نسب معلوم کر کے رکھوں؟" شاہد نے قائل پر قائل رکھتے ہوئے کہا۔  
 "احق آدمی! یہ۔ یہ فریال تھی؟"  
 "فریال تھی۔ پہچان بھی لیا تھا لوہیں؟" اب شاہد پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
 "مجھوت میں اسے نہیں پہچانوں گا؟ دو گھنٹے تک بنو گھوڑا ہے اسے نہیں پہچانوں گا میں؟" شاہد کی بات پر وہ چڑ گیا۔

"اچھا بابا! مان لیا فریال تھی پھر۔"  
 "پھر یہ کہ آپ اسے جاب دیں گے؟" جنید نے دھونس جھائی۔  
 "اچھی زبردستی ہے نہ دوں تو؟" شاہد اسے چڑا رہا تھا۔  
 "فریال دسے کر دیکھو تو قسم سے تمہارے کان کاٹ کر تمہاری تصویر کھینچ کر تمہاری میکیٹر کو روانہ کر دوں گا۔ میں بھی دیکھوں گا کیسے کرتی ہے کانوں کے بغیر تم سے شادی؟"  
 جنید نے کچھ ایسے انداز میں دھمکی دی کہ شاہد تنی ہی دیر ہنستا رہا۔  
 "اچھا بابا! اچھا دے دوں گا فریال کو جاب تم سے کیا بعد کچھ کر گزرو۔ پہلے ہی اتنی مشکلات کے بعد تو سنکئی ہوئی ہے نا دیہ سے؟"  
 شاہد بے ہمتی سے ہونٹے کانوں کو ہاتھ لگائے۔  
 "نہ صرف اسے جاب دو گے بلکہ مجھے بھی اسی آفس میں جاب چاہیے؟"  
 "ہیں۔ ہیں۔ گھاس چرگئے ہو۔ اب تک تو میں سمجھتا رہا کہ عشق کا عباد و دماغ برا اثر انداز ہوا ہے اس لیے لڑکی کی بے جا حمایت کر رہا ہے۔ میں نے مان بھی لی یہ تہیں کس حساب میں جاب دوں بھی اناسمیں نہیں ہوں کہ فضول میں پیسے باندھتا پھروں؟"  
 شاہد نے مصنوعی خفگی سے اسے گھوڑا۔  
 "کچھ سوں کے پوتے پیسے تم سے کون لے رہا ہے۔" فریال میں ملازم بھنے کو تیار ہوں۔ تو اکڑ رہے ہو؟ میں فریال کو بھی جاب دو اور مجھے بھی اپنا چپڑا سی بنا کر دیکھ لو؟" جنید بے قراری سے اٹھ کر شاہد کی طرف بڑھا تو شاہد نے اپنا سر ققام لیا۔  
 "یار جنید! تو میں پاگل ہو گیا ہوں یا تم۔ جب تک اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا تو میرا خیال تھا بخانے وہ جینز کا چیز ہوگی۔ جس نے پہلی نظر میں تہیں اپنا امیر کر لیا ہے۔ ٹھیک ہے وہ لڑکی بھی ہے بلکہ بہت اچھی ہے مگر اب اتنی بھی نہیں کہ تم جیسا ہوش مند بندہ اس کے عشق میں اچھا خاصا پڑھ لکھ کر چپڑا سی بن جائے؟"  
 "تم بھی زسے گاؤ دی ہو تم سے کس نے کہا کہ اس

کے عشق میں یہ کر رہا ہوں؟"  
 "اچھا ذرا بتائیے کہ پھر نے آپ کو کہاں کا ٹاپے کہ آپ یہ سب کر رہے ہیں۔ اگر اس کے قریب رہنا چاہتے ہو تو یہاں میری سیٹ پر باس ہی کر بیٹھو۔" شاہد اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔  
 "یار! قسم سے دل چاہ رہا ہے کہ تیری یہ گڑ سی تیرے سر پر مار کر چار ٹکڑے کر دوں گری کے۔" احق آدمی! اچھا آؤ۔ میں بتاتا ہوں۔  
 اور پھر جنید نے آرام سے بیٹھ کر اسے اپنا پروگرام بتایا۔  
 "سوری یار! میں متفق نہیں ہوں تمہارے ڈرامے سے کہ کسی معصوم لڑکی کو بے وقوف بنایا جائے انجانے میں؟" شاہد اس کی بات سے متفق نہ ہوا۔  
 "نہیں مجھ پر اعتماد نہیں شاہد! میں ایسا ہوں کہ کسی لڑکی کو بے وقوف بنا کر دھوکا دوں گا۔ وہ لڑکی مجھے پسند آئی ہے۔ میں نے اس سے شادی کا ارادہ کیا ہے۔ تب ہی ایسا کرنے کا سوچا ہے ورنہ میں کسی لڑکی سے فلرٹ کرنا مردانگی کی توہین سمجھتا ہوں۔ اور میں تمہارے سامنے خدا اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فریال سے شادی کر دوں گا۔ بس حقوڑی سی شرارت کرنی ہے اور بس؟"  
 جنید نے بہت سنجیدگی سے برا اعتماد لہجے میں کہا تو شاہد خاموش ہو گیا۔  
 "ٹھیک ہے۔ تمہارے ارادے نیک ہیں پھر بھی سوچ لو۔ لڑکی ماں سڈ کر گئی تو۔ یہ بڑی نازک اور حساس قوم بنائی ہے اللہ تعالیٰ نے۔ مرد کا دیا ہوا بڑے سے بڑا ستم برداشت کر لیتی ہے مگر یہ بات ان کی برداشت سے باہر ہوتی ہے کہ کوئی انہیں کھلو نہ مجھے؟"  
 شاہد بڑی اچھی سوچ کا مالک تھا خصوصاً صنفی لڑکی کے بارے میں مگر نیت جنید کی بھی نیک تھی۔ اس لیے وہ مطمئن تھا۔  
 فریال جب سے انٹر ویو دے کر آئی تھی۔ بڑی بے چینی سے جواب کی منتظر تھی۔ وہ بس کچھ کرنا چاہتی تھی حالانکہ بھیا، بھائی اچھے تھے مگر کبھی نہیں اسے بھائی کے رویے سے لگتا کہ وہ ان پر بوجھ ہے۔ ایسے میں

اسے اپنے اٹھی، ابو بڑی شدت سے یاد آتے تو وہ اپنے کمرے کی تنہائیوں سے پیٹ کر شدت سے رو پڑتی۔ اس لیے اس نے اپنی ڈگری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرتے ہوئے جب کے لیے اپلاٹی کر دیا تھا۔ مگر جواب تھا کہ ابھی تک آیا ہی نہیں تھا۔

”اللہ میاں جی! میری عزت رکھنا ورنہ بھابی یہ نہ کہیں کہ تم کسی کام کے قابل ہو ہی نہیں۔“

عشاء کی نماز کے بعد بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ مانگی گئی دعا کا رزلٹ لگے ہی روز نکل آیا اور اسے اپنا نمٹنٹ لیٹر مل گیا۔ وہ خوشی سے بے حال ہو گئی۔

جنید خود بھی بزنس میں تھا اور بزنس کے سلسلے میں ہی کراچی آیا تھا مگر اسے خبر نہیں تھی کہ وہ یہاں آکر اداکار بن جائے گا۔ اس وقت بھی وہ اس روز طے طے میں فریال کے کمنے سے قبل ہی آفس پہنچ گیا۔ اس کی خاطر شاید کو بھی جلدی آنا پڑا۔

”یار ایہ کیا حلیہ بنا لیا ہے ایک لڑکی کی خاطر؟“

شاید اسے اس حلیے میں دیکھ کر بولا۔

”نہیں، ایک لڑکی کی خاطر نہیں یار! اس جذبے کی خاطر جس کے تحت یہ کائنات وجود میں آئی پھر اس جذبے نے کیا کیا روپ نہیں دھارے۔ میں اگر میلا سا چپڑا سی بن گیا تو کیا قیامت آگئی۔ ویسے لگ کیسا رہا ہوں؟“

جنید، شاید کو چڑانے کے لیے اس کے قریب آتے ہوئے بولا تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

”پیچھے ہٹو گھن آ رہی ہے مجھے تم سے؟“

شاید ناک بند کر کے پیچھے ہٹا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ تو جنید نے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

دروازہ کھلتے ہی گویا فریال پر بجلی سی گری۔

”تم۔ تم یہاں بھی آ گئے؟“ وہ غصے سے کانپ گئی۔

”جی ہاں، جہاں تم وہاں ہم۔“ وہ اک ادا سے بولا۔

”تہیں کس گھر سے رکھا ہے یہاں؟“ غصے میں اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ کیا کہہ رہی ہے۔

”جی جس نے آپ کو رکھا ہے؟“

جنید نے کن اکھیوں سے شاید کو دیکھا جس نے

پیشتر کا پیروٹ ہاتھ میں اٹھا کر جنید کو گھورا۔

”اندر آئیے مس فریال بکیا پرانے نمبے۔“

فریال کو بلایا۔

”کچھ نہیں سر؟“ وہ فائل تھامے منہ میں ڈالنے کی طرف بڑھی۔

”صاحب جی! مجھے ان سے ایک بات پوچھنی ہے جی۔“

جنید منہ لٹکا کر بولا تو شاید کا دل چاہا کہ یہ سب واقع اس کے سر میں دے مارے۔ کتنا بڑا لگتا ہاں۔ کہو؟“ شاید نے اسے کہا گویا کہو۔

”وہ میری ماسی کا پتا چلا ہے کہ نہیں۔“

آپ کے گھر میری ماسی؟“ جنید پوچھنا چاہ رہا تھا۔

”نہ ہو کہ ماسی آکر بھانڈا پھوڑ دے۔“

”نہیں آئی۔ اگر آئی ہوتی تو زندہ نہ جاتی۔“

”نہ دانت پس کر آہستگی سے کہا۔“

”ویسے فریال جی آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔“

”لیکن مجھے بہت مدد پہنچا ہے۔“

”آئیے مس فریال یہ تو جاہل اُجڑ آدمی ہے۔“

”بیٹھے۔ میں آپ کو آپ کی ذمہ داری سمجھا دوں۔“

شاید نے جنید کو چھیڑنے کی غرض سے کہا تو فریال سے نظر میں بچا کر منہ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”سرا یہ آدمی مستقل نہیں رہے گا؟“

اس کے کچھ کہنے سے قبل فریال بول پڑی۔

”جنید کا وہود نہ ہر لگ رہا تھا۔“

”جی ہاں مجھوری ہے۔ ورنہ ابھی اسی وقت کر نیچے پھینک دیتا؟“ شاید نے کن اکھیوں سے دیکھا وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

”جورے منوس۔ ہاں مس فریال اس کا نام جو را منوس ہے اور آپ جب بھی اسے بلاتے منوس کہہ کر بلاتیں۔ ورنہ مائنڈ کر جاتا ہے۔“

”جی مجھے کوئی ضرورت نہیں اس کی منوس دیکھنے کی نہ بلانے کی۔“

”وہ آہستگی سے منہ میں بولی۔“

”ہاں جو رے منوس! جاؤ مس فریال کے۔“

کافی اور میرے لیے۔  
 ”جی صاحب! مجھے معلوم ہے آپ کے لیے زہر  
 لانا ہے۔“

جنید زہر خندہ لہجے میں بولتا باہر نکل گیا۔  
 ”دیکھا آپ نے مس فریال۔ یہ میرے والد کے  
 انتہائی پرانے ملازم کا بیٹا ہے اور اسے ملازم رکھنا  
 ہماری مجبوری ہے۔ اس لیے آپ سے درخواست  
 ہے کہ اس کی بدتمیزیوں کو انور کر دیا کریں۔ یہ کچھ بھی  
 کرے، میں اسے کچھ کہنے کا مجاز نہیں۔ آپ اپنے  
 کام سے کام رکھا کریں۔ اگر بدتمیزی کرے تو مجھے  
 بتائیں۔ میں پیاسے کہہ کر اسے ٹھیک کروالوں  
 گا۔“

جنید کے جلنے کے بعد شاہد نے اسے اپنی مجبوری  
 سے آگاہ کیا تو وہ بھی مجبور ہو گئی۔ مجبوریاں ہی تو ہوتی  
 ہیں انسان کی جو ہر قسم کے حالات کو برداشت کرنے  
 پر مجبور کرتی ہیں یہ بھی سہی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ جس کمرے میں فریال  
 بیٹھتی تھی اس میں اور بھی لڑکیاں تھیں اور ساتھ ہی  
 شاہد کا کمرہ تھا جس کے باہر جنید اسٹول پر بیٹھ کر  
 مکھیاں ماریا کرتا۔ وہ اندر باہر حمید کے سیاہ گلاسز  
 چڑھائے رکھتا۔ اسے دیکھ کر فریال کا خون کھولتا رہتا۔  
 اس کا کام ہی فضول بیٹھنا اور اونگھنا تھا یا پھر اگر کوئی  
 لڑکی کام بتا دیتی تو بھاگ بھاگ کر کرتا۔ فریال کی تو  
 جب بھی نظر پڑتی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہوتا۔ مارے  
 غصے کے اس کے ہاتھ کانپ جلتے۔ اور جیسے ہی فریال  
 کی تیز نظر اس پر پڑتی۔ وہ تیل میں چپڑے بال ایک  
 اولے سے سنوارنے لگتا۔ اس روز وہ بڑے  
 انہماک سے اپنا کام کر رہی تھی۔ جنید نے ایک فائل  
 جو شاہد نے اسے دی تھی۔ اسے لا کر دی۔

”اس پر اپنا ناں (نام) لکھ دیں جی۔“  
 فریال نے فائل دیکھی اور سائن کر کے اس کی طرف  
 دیکھے بغیر فائل اسے تمھادی۔ وہ راکھ ہو گیا۔ اسے  
 دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا کہ کرسی کی ٹھوکر لگی اور  
 وہ دھڑام سے نیچے آگرا۔

”مغزور شرارتی حسینہ۔“ وہ فریال کو دیکھ کر بولا۔  
 ”کیا بکواس ہے یہ۔“ فریال کھڑی ہو گئی۔

”آپ کو کون کہہ رہا ہے جی۔ میں تو کرسی پر  
 ہوں۔ دیکھا نہیں آپ نے کس حرکت کر چکی ہے  
 کر مجھے گرایا ہے اس نے۔ ہٹے سے ہٹے۔  
 پوٹ اس کے گھٹنے میں لگی تھی۔ ختم ہو گیا۔  
 بیٹھا تھا۔ اس روز فریال سینہ بھر کے  
 بہت پیاری لگ رہی تھی۔ معمول سے زیادہ  
 اور پاکیزہ سی۔

وہ ایک ایک کمرے دیکھ رہا تھا۔ وہ  
 کے کمرے میں آگئی اور جنید کی شکایت کتے  
 بھی سمجھ گیا تھا۔ پیچھے ہی بلا آیا۔

”ٹھیک ہے مس فریال! مگر آپ یہاں  
 میں جاتی ہوں سراسر اسے رکھنا آپ کو مجھے  
 اور یہاں جاب کرنا میری مجبوری ہے مگر آپ  
 سمجھا تو سکتے ہیں۔“

”اچھا! آپ اطمینان رکھیے۔ میں بھی اسے  
 پوچھتا ہوں۔“

جیسے ہی شاہد نے بل پر ہاتھ رکھا۔  
 بڑھا۔

گھنٹیاں بجنے کی ضرورت نہیں  
 میں خود آگیا ہوں۔“

”جو کمرے منوں مجھے شکایت ہے۔  
 کہ تم آفس کی لڑکیوں کو گھورتے رہتے ہو۔  
 کام نہیں کرتے۔“

”گھورتا نہیں جی۔ دیکھتا ہوں مگر یہاں سے  
 آفس کی لڑکیوں کو نہیں قسم اللہ پاک کی۔ صرف ایک  
 لڑکی کو دیکھتا ہوں۔ اس کے بوا میں کسی کو نہ

ہوں نہ پیار سے دیکھتا ہوں مگر وہ اچھا ہے جی۔  
 سمجھتی ہی نہیں پیار کے انداز کو۔“

وہ فریال کے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے  
 انداز میں بولا۔

”سراسر اس سے پوچھیں وہ کون ہے۔“  
 ”لیں۔ میں آپ کو بتا دوں۔ وہ کون ہے۔“

اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا۔ بھلا انسان ہے  
 ہے۔ اسے بدنام کرتا ہے۔“

اس کی بات پر فریال لا جواب سی ہوئی  
 اسے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا کہ اس نے

شکایت ہی کیوں کی۔ شاہد کیا سوچے گا کہ میں خوش فہمی کا شکار ہوں۔

”مس فریال! میں نے آپ سے پہلے ہی روتے کہا تھا۔ یہ انتہائی جاہل، جنگلی سا آن پرٹھ قسم کا جانور ہے۔ آپ اس کی کسی بات پر توجہ نہ دیا کریں۔ یہ اُچک اُچک کر آپ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اور جو رے منوس! دوسری شکایت یہ کہ تم کام نہیں کرتے۔ شاہد پھر جنید کی طرف مڑا۔

”اللہ! میری توبہ۔ میری بے بی، میرے ابا کی توبہ صاحب جی! یہ قوم اتنی جھوٹی، اتنی ظالم ہے کہ اللہ پاک بھی سیدھا جہنم رسید کریں گے۔ اتنا کام لیتی ہیں جی لڑکیاں، وہ اپنی مس راشدہ ہیں ناں۔ وہ اٹھتی میرے ہاتھ پر رکھ کر کہتی ہیں کہ جو رے منوس! گوئی کی طرح جاؤ اور شاہی سپاری لے کر آجاؤ اور چوٹی واپس بھی لانی ہے تو میں پچاس سیڑھیاں چوٹی کی سپاری کے لیے گوئی کی طرح طے کرتا ہوں اور کچھوے کی طرح چلتا ہوا آتا ہوں۔ ایک روز چوٹی کی میں نے سپاری لے لی اور چوٹی سیڑھیوں میں کھوئی تو اللہ مس راشدہ کو ہدایت دے انہوں نے پچاس دفعہ مجھے سیڑھیاں چڑھائیں، اتار دیں، اور پتا ہے آپ کو، یہ سب مس فریال کے کہنے پر ہوا۔ اور اس روز میں اسٹول پر بیٹھا بیٹھا سو گیا اور نیند میں، میں نیچے جا کر ابھی انتظار کر رہا تھا کہ ابھی مس فریال آکر مجھے اٹھائیں گی مگر وہ نہیں آئیں تو گہری نیند میں مجھے خود ہی اٹھنا پڑا۔ اپنے ظلم کی داستان کو سناتی نہیں اور مجھے۔ ہائے میری بے بی! وہ قاین پر بیٹھ کر ٹانگیں مار مار کر بے بے کو یاد کرنے لگا۔

”اچھا۔ اچھا نہ یادہ مت بنو اور جاؤ۔ چائے لے کر آؤ دو کپ۔“

شاہد بھی اس طرح ڈانٹ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتا۔

”جار ہا ہوں لیکن میں اپنے ابا سے آپ کی شکایت کر کے آپ کے ابا سے آپ کی لتروں کراؤں گا۔ یہاں جو ان کے سامنے صاحب بنے بیٹھے ہونا، جنید باہر چلا گیا۔ چائے لے کر آیا تو شاہد کسی بات پر نہیں رہا تھا اور فریال بھی سر جھکائے مسکرا رہی تھی۔ جنید

کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

”لیں۔ صاحب جی! چائے آگئی۔“

فریال کی چائے اس کے آگے رکھ کر وہ شاہد کی طرف آیا۔ چائے میز پر رکھی اور فریال کی تحریر بچا کر پیپر ویٹ اس طرح ٹھسٹایا کہ سیدھا شاہد کے پاؤں پر جا کر لگا۔

”ہائے مر گیا۔ اُف میرے خدایا۔ مار ڈالا جینے کے نیچے!“

شاہد درد کی شدت سے پاؤں پکڑے چلا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔

”کیا ہوا سر؟“

”کچھ نہیں مس فریال۔ وہ میں نے اُف میرے خدایا! شاہد کچھ کہتے کہتے گر گیا۔

”صاحب جی! ڈاکٹر کو فون کروں؟“

”ہاں ساتھ ہی کفن دفن اور میت گاڑی والوں کو بھی فون کر دو۔“

اسی قسم کے چھوٹے موٹے حادثات ہوتے رہتے۔

اس کی روز بروز کی تانک جھانک سے تنگ آکر شاہد

جنید کا اسٹول ایسے رکھوا دیا کہ اس کی پشت ہو گئی

سب کی طرف سے۔ مگر اس روز فریال نے محسوس کیا کہ کوئی

کافی دیر سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کن اکھیں

سے دیکھا۔ جنید تو نشست کر کے بیٹھا تھا مگر اس وقت

اس کے غصے کی انتہا ہو گئی جب اس نے دیکھا کہ جنید

کے ہاتھ میں چھوٹا سا آئینہ تھا جس سے وہ اسے غور سے

دیکھتا تھا۔ غصہ تو اسے بہت آیا۔ مگر وہ نظر انداز کر گئی۔ پھر

یہ سو نے لگا کہ اس کی میز پر کبھی کوئی پھول ہوتا یا

کاغذ کے پر نہ سے پر کوئی گھٹیا سا شاعر لکھا ہوتا جو

رکشوں اور بسوں میں لکھے ہوتے ہیں جو جوت کھانے

کے بعد کہے جاتے ہیں۔ اُس روز وہ شاہد سے کمرے

میں جانے لگی تو پیچھے سے وہ لگنایا۔

بلیٹ کر دیکھ کر اسے ظالم تنہا ہم بھی رکھتے ہیں

اگر تو تنگ مر رہے تو پھر ہم بھی رکھتے ہیں

”دیکھو جو رے منوس! اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ

آئے تو اسی پتھر سے سر توڑ دوں گی تمہارا۔“ وہ غصے سے

مڑی۔

”لیں آپ بھی ایویں مس فریال سر کو پھاڑا جاتا

سے توڑا تھوڑی جاتا ہے۔ جیسے میں نے بچپن میں ایک لڑکے کا سر چھڑا تھا۔

”جھے لگتا ہے۔ جھے یہ جاب چھوڑنی پڑے گی تمہاری وجہ سے۔“

”اور جھے لگتا ہے، جھے دنیا چھوڑنی پڑے گی آپ کی وجہ سے۔“

وہ بھی اس کے۔ اندازہ میں بولتا رہا۔ پھر جب بات برداشت سے بڑھ گئی تو فریال نے پھر اس کی شکایت شاہد سے کر دی۔

”سرالڑکی گھر سے جاب کرنے نکلتی ہے تو شوقیہ یا تفریحی نہیں نکلتی کسی نہ کسی مجبوری کے تحت نکلتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اسے آفس والوں کے سامنے حوالہ کیا جائے۔ یہ سب آپ دیکھ رہے ہیں ناں۔ آپ کے اسی جو رے منوس نے لکھے ہیں۔ اٹلے سیدھے قصور پر حتمی رہتا ہے۔ ٹھیک ہے اسے رکھنا آپ کی مجبوری ہے اور جاب میری۔ لیکن میں اپنی جاب کو اپنی عزت پر ترجیح نہیں دے سکتی۔ میں یہ جاب چھوڑنا چاہتی ہوں۔“

فریال تنگ آگئی تھی اس روز روز کی چرخ سے ”میں فریال ٹھیک بے اب میں نے سوچ لیا ہے میں اسے اب نکال باہر کروں گا۔ آپ کی عزت میرے لیے بھی مقدم ہے۔ اب آپ سکون سے اپنی سیٹ پر جالیے۔“

شاہد نے بھی یہ سوچ کر فیصلہ کر لیا کہ وہ جنید سے اس ڈرامے کو ختم کرنے کو کہے گا۔

”یار جنید! وہ ٹھیک کہتی ہے۔ لڑکی کی عزت ہم حال ہمارے لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے وہ آفس میں دو مہروں کے سامنے بدنام ہو۔ یہ سب ڈراما ہے یہ صرف میں اور تم جانتے ہو دو مہرے لوگ تو نہیں جانتے ناں، اس لیے یہ سلسلہ اب بند کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ کسی کے سامنے ”شاہد تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اس کی عزت میری عزت ہے۔“

جنید نے انتہائی احترام سے کہا۔

”پھر اب تاخیر نہ کرو۔ اسے جلدی سے اپنی عزت بچا کر لے۔ آخر کو تمہارا جیٹھ ہوں۔“

بنالو۔ دکھی ہے وہ جس لڑکی کے والدین نہ ہوں۔ بھائیوں پر بوجھ ہو تو اس سے بڑھ کر دکھی کون ہو سکتا ہے، اس لیے جلدی سے اب تم کچھ کرو۔“

”ہاں میں نے بھی اب اس ڈرامے کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم ابھی اسے بلاؤ اور اس کے سامنے جھے ڈانٹ کر نوکری سے نکال دو تا کہ اس کا بھرم قائم رہے۔“

اور پھر شاہد نے فریال کو بلایا اور اس کے سامنے جنید کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔

”تم آخر ہو کس کھیت کی گا جرمولی۔ میں اپنے آفس کے ڈسپلن کو خراب کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ لڑکیوں کی عزت میرے لیے مقدم رہی ہے۔ تم نے میں فریال کی انسلٹ کی ہے۔ ابھی اور اسی وقت طے جاؤ ورنہ۔“

”صاحب جی! نام میرا منوس ہے۔ شکل آپ کی بغلے میں تو آپ اور بھی لگ رہے ہیں۔ بہر حال میں جا رہا ہوں۔ اور بی بی فریال اب تو ٹھنڈک پڑ گئی۔ جھے بے روزگار کر دیا ہے۔ بائے میری بے بے اب جھے کون لڑکی دے گا۔ یہ لیں آخری رقعہ تو پڑھ لیں۔“

جنید نے پہلے شاہد کو اتار اٹھا پھر ہاتھ میں دبا کاغذ فریال کے ہاتھ میں دے کر دونوں کو گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ فریال نے رقعہ کھولا جس میں ایک بڑا سا دل بنا کر اس میں سے تیر گزارا گیا تھا اور خون کے قطرے ٹپکتے دکھائے گئے تھے۔ نیچے لکھا تھا۔ سلام محبت قبول کر لیں پھر ملیں گے اگلے چوک پر۔“

”اٹ میرے خدایا۔“ فریال سر ہٹا کر بیٹھ گئی مگر یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ چلا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس کی دھمکی کہ پھر ملیں گے۔ وہ ڈھنگ سے خوش بھی نہ ہو سکی۔ اب جنید فریال کو باقاعدہ پروپوز کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے شینا کی مدد و کار سنی، چنانچہ اس نے اس سارے ڈرامے کو لپیٹ کر اسے بتا دیا تو وہ چیخ پڑی۔

”ہائے جنید بھئی! کتنے گھٹنے ہیں آپ یہ سب کر کر کر اب بتا رہے ہیں۔“

”ہاں بہن! بس اب تو ہو چکا جو ہونا تھا۔ اب ذرا مدد کرو۔ آخر کو تمہارا جیٹھ ہوں۔“

شینا جنید کے چھوٹے بھائی کی منگیتر تھی۔ ”اچھا جذباتی دباؤ مت ڈالیں۔ میں آپ کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں اور بھائیوں کے لیے بہنوں کی جان بھی حاضر ہوتی ہے۔ فریال باجی مجھے بھی بے حد پسند ہیں مگر جو تک عابد چھوٹا تھا، اس لیے اسے بھابھی نہیں بنا سکتی تھی۔ اب اللہ نے چاہا تو ضرور بھابھی بنا دی گی ان کو۔“

اور پھر شینا کے ذریعے نفیسہ بیگم کو یہ بات بتا چلی تو وہ باقاعدہ فریال کا رشتہ لے کر گئیں۔ فرحان احمد اور فائزہ بیگم کو اور کیا چاہیے تھا اتنا اچھا بڑھا کھلا لڑکا مل رہا تھا۔ دونوں کو جنید بہت پسند آیا تھا، فریال تک بھی ساری خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ ایک تو نفیسہ بیگم کی اچھی فیملی۔ پھر لڑکا پڑھا لکھا۔ اور پھر بقول

بھابھی کے وہ بہت اسمارٹ اور خوبصورت ہے۔ وہ مطمئن ہو کر خدا کا شکر ادا کرتے لگی۔

نہ ہی اس نے لڑکے کو دیکھا تھا اور نہ ہی اس کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بس یہ تھا کہ دونوں طرف بات طے ہو گئی تھی۔ وہ خوش اور مطمئن تھی کہ اس روز آفس میں پھر جو رے منوس کا فون آگیا۔

”میں فریال آپ کیا سمجھتی ہیں۔ میں نے نوکری چھوڑ دی ہے تو آپ کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ آپ کے گھر بارات میں ہی لے کر آؤں گا۔ دیکھ لوں گا میں اس جنید کے نیچے کو۔ دیکھ لینا اس کے قہقہے کے کیا ابھی ہماری شادی میں کھائے جائیں گے کیا سمجھیں۔“

”تکو مت ذلیل آدمی! نفرت ہے مجھے تم سے۔ اور کبھی آئینے میں اپنی شکل دیکھی ہے۔“

”ہاں دیکھی تھی ایک مہینہ پہلے۔ ڈر کر نیچے گر پڑا تھا اور پھر آپ کو میری شکل پسند نہیں نہ بھی تھے تو آپ کی بے ناں پسند۔“

”شٹ اپ۔“ فریال نے ریسپورڈ کر یڈل پر بٹخ دیا۔

”جنید بھئی! جتنا چاہیں تنگ کر لیں۔ ایک ایک بات بتاؤں گی بھابھی کو۔ پھر دیکھیے گا کیسے بدلہ لیتی ہیں وہ۔“ شینا نے اسے چھیڑا۔

اور پھر یہ معمول ہی بن گیا کبھی گھر پر کبھی آفس میں

جور سے منوس کا دھمکیوں بھرفون آجاتا تو وہ رو پڑتی۔  
ایک ہی حل تھا کہ وہ جاب چھوڑ دے۔

”مس فریال اب تو میں نے جور سے منوس کو بھی نکال دیا۔“

”جی سر! لیکن وہ ذلیل آدمی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔ شادی کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اب تو میری مٹنی بھی ہونے والی ہے۔ میں سخت پریشان ہوں۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ آپ کا پرانا ملازم ہے آپ اسے بلا کر نہ بھائیے گا۔ وہ بہت پریشان ہو گئی تھی۔“  
”آپ فکر نہ کریں۔ میں اسے بلا کر ذلیل کروں گا یا پھر فون کروں گا۔ جہاں وہ رہتا ہے۔“

”شکریہ یہ شاہد کی یقین دہانی پر وہ مطمئن ہو گئی۔ دوسری طرف لاہور سے سارے سسرال والے بھی آگئے تھے جن کا مطالبہ تھا کہ وہ جاب چھوڑ دے۔ وہ اپنا استعفیٰ لے کر شاہد کے کمرے میں آگئی۔ وہ دروازے کی طرف پشت کیے کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ وہ نفاق تھا جسے خاموش کھڑی رہی۔

”کم آن یار! اب تو اسے بخش دو۔“ اب تو مٹنی ہونے والی ہے۔ وہ بڑی پریشان ہے۔ کل ہی کہہ رہی تھی کہ جور سے منوس نے اب فون پر — تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بندے جو جور سے منوس سے جنید منوس بن جاؤ۔ بہت ہو گیا ڈراما۔

”اف میرے خدا — تو یہ سب ڈراما تھا۔ فول بنایا جا رہا تھا۔ مجھے نہیں ساری باتیں یاد کر کے یہ جان کر اسے فول بنایا جا رہا تھا فریال کا دماغ چکرانے لگا۔

”ارے۔ مس۔ مس فریال آپ۔“  
شاہد اسے دیکھ کر ایک دم گڑبڑا گیا۔

”شاہد صاحب۔ میں۔ میں آپ کو بہت اچھا انسان سمجھتی تھی لیکن آپ اٹ میرے خدا انسانیت اتنی۔

بے اعتبار ہو جائے گی تو کیسے جی پائیں گے۔“  
وہ اگر بیٹھ نہ جاتی تو یقیناً کر جاتی۔ اس کے۔

دل و دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے بے وقوف بنائے جانے کا احساس مارے دے رہا تھا۔

”کیا قصور تھا میرا۔ میں نے کیا بگاڑا تھا کسی کا۔

شاہد صاحب۔“

وہ سب کچھ بھول کر میز پر سر دھک کر بچوں کی طرح رونے لگی۔ شاہد گھبرا گیا۔ اس کے لیے یہ صورت حال بہت تکلیف دہ تھی۔ وہ اٹھ کر فریال کے قریب آگیا۔  
”مس فریال! یقیناً آپ سب کچھ اور سمجھنے میں حق بجانب ہیں لیکن میں آپ کو اپنی بہن سمجھ کر آپ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ کا اعتقاد غرور ہوا ہے۔ اس کا احساس ہے مجھے لیکن میں آپ کو بتانا ہوں۔ سچ کیا ہے۔“

اور پھر شاہد نے بڑے سکون اور تسلی سے اسے الف سے لیے تک ساری کہانی سنادی۔

”یقین جانے۔ مس فریال جنید بڑا اچھا اور شریف آدمی ہے اس نے کسی غلط نیت سے یہ سب نہیں کیا۔ جس نیت سے بھی کیا ہو۔ ان کی تو تفریح ہو گئی ناں۔ ایک لڑکی کو بے وقوف بنا کر فکریہ میں آپ کی جاب چھوڑ رہی ہوں اور آپ کے دوست کو بھی خدا حافظ۔“

فریال اس قدر غصے میں تھی اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، وہ اپنا بگڑا ہوا آئینہ آئین سے صاف کرتی وہاں سے اٹھ گئی۔ شاہد نے اسی وقت جنید کو فون کر دیا۔

”اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا، میں نے تو سوچا تھا کہ۔“  
”اب کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں، وہ میری جاب اور آپ کو چھوڑ چکی ہیں۔“

”بکومت اب۔ اب اس۔ منزل پر وہ مجھے کیسے چھوڑ سکتی ہے۔ میں دیکھ لوں گا سنبھال لوں گا۔“ وہ بڑی طرح پریشان ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریال کی انا غرور ہو۔ اس نے ساری صورت حال شینا کو بتادی تو اس نے کسی طرح دونوں کی ملاقات کا بندوبست کر دیا۔  
”مجھے کچھ نہیں سنا ہے میں آپ جیسے شخص سے کوئی تعلق رکھتا چاہتی ہوں۔“ فریال نے اسے دیکھتے ہی نفرت سے منہ پھیر لیا۔

”فریال پلیز۔ میری طرف میری آنکھوں میں دیکھو۔ تو مجھے میری بات کا اعتبار آجائے گا۔ خدا گواہ ہے میں نے کسی بڑی نیت سے یہ سب نہیں کیا۔ پہلی بار جب میں نے تمہیں دیکھا تو تم نے مجھے ماسی صغرا کا بھانجا

سمجھا اور میں تمہاری باتیں بھی سن چکا تھا۔ میں نے اسی روز تمہیں اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں بڑھ چکا شریف آدمی ہوں۔ فریال میں خدا اور رسول کو گواہ بنا کر شاہد کے سامنے تم سے شادی کرنے کا عہد کر چکا تھا۔ تب ہی اس نے وہ ڈراما کرنے کی اجازت دی۔  
وہ کسی معصوم لڑکی کو بے وقوف بنا کر تفریح حاصل کرنا میں مردانگی کی توہین سمجھتا ہوں۔ میں نے بڑے خلوص سے تمہیں چاہا اور جیون ساتھی بنانے کا عہد کیا تھا لیکن تمہیں اختیار ہے انکار کا بھی اور اقرار کا بھی۔“

چاہو تو سب کے سامنے مجھے ذلیل کر کے انکار کر دو۔ مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔“ خدا حافظ۔“

اس کے مددگار بھی میں ڈھلے الفاظ فریال کے دل میں اترنے لگے تاہم وہ بے حس و حرکت رخ موڑے کھڑی رہی۔ جنید کچھ دیر اس کی لمبی چوٹی کو دیکھتا رہا جو اسے اس کی شخصیت میں سب سے زیادہ پسند آتی تھی۔ پھر باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد فریال جانے کیوں شدت سے رو پڑی۔ پھر کتنے ہی دن گزر گئے۔ درمیان میں شتا بد اور شینا نے فریال سے رابطہ کیا۔ مایوس ہو کر جنید نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ شینا کے ذریعے فریال کو اس کے جانے کی اطلاع مل گئی۔ وہ بڑی آپ سیٹھی تھی۔ تجا نے کیوں دل جنید کی طرف کھینچا جا رہا تھا۔

وہ افسردہ سا بوجھل بوجھل سا اپنا سامان پیک کرنے میں اتنا منہمک تھا کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ فریال کھڑی اسے دیکھ رہی ہے۔

”تم۔ اوہ آپ جیسے ہی جنید کی نظر پڑی وہ اجنبی بن کر مخاطب ہوا۔ اس وقت فریال کو وہ بہت اچھا لگا۔“  
”جی میں۔ آپ واپس جا رہے ہیں؟ وہ مسکرا کر آگے بڑھی۔

”ہاں میں بہت بُرا ہوں۔ لوگوں کو دھوکے دیتا ہوں اس لیے۔“ وہ اس سے خفا تھا۔

”چلیے جانے دیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ میاں معاف کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ ویسے بھی ماسی صغرا آئی تھیں اپنے گمشدہ بھائی کو ڈھونڈنے،

وہ جورا منوس کو تلاش کر رہی ہیں جس نے ان کے بھائی کی جگہ لے لی ہے۔“  
وہ کچھ گھبرائی، کچھ شرمائی آواز میں بولی رہی تھی۔  
جنید خوش ہو گیا زندگی سے بھرپور مسکراہٹ آگئی اس کے لبوں پر۔  
”تمہارے گھر بارات تو میں ہی لے کر آؤں گا انشاء اللہ۔“  
وہ شوخ ہو گیا تو فریال کے چہرے پر حجاب آلود مسکراہٹ آگئی۔